

ڈاکٹر محمد بشارت

آسیہ میر

”سدھارتھ“ اور ”آگ کا دریا“ کا فنی و فکری تقابلی جائزہ

An artistic and ideational comparative analysis of *Siddhartha and Aag Ka Darya*

By Dr. Muhammad Basbarat, Senior Lecturer, Dept. of Urdu,
OPF Boys College, Islamabad.

Asia Meer, PhD Scholar, Dept. of Urdu, Alhamd Islamic
University, Islamabad.

Abstracts

The articulation of commonality and differences between two different novels on a subject of Easter Civilization and Saintism is the focal point of this research article. Hermann Hesse's novel *Siddhartha* is based on the philosophy of spiritual and enlightenment and self-discovery. The novel revolves around the eastern mysticism, which progresses through the central character of the novel *Siddhartha*. While *Aag ka Darya* is an Urdu novel written by Qurrat-ul-Ain Haider, who story begins twelve thousand years ago and continues until the twenty century. In comparison to *Siddhartha*, this novel is longer and more detailed, featuring multiple narratives running concurrently, despite differences

✽ سینئر لیکچرار، شعبہ اردو، اوپی ایف بوائز کالج، اسلام آباد

✽✽ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد



in language, culture, environment and region both novels blend elements of eastern culture in their presentation. The thematic similarity in both novels written by authors with different connection to different cultures, presents a unique aspect for comparative analysis.

Keywords: Self-discovery, Eastern Mysticism, Cultural Diversity, The path of consciousness, Eco-Criticism, Theoretical conflict, Tranquility.

”سدھار تھ“ جرمن ناول نگار اور مصنف ہرمن ہیسے (Hermann Hesse) کا ناول ہے جس کی بنیاد روحانی انکشافِ ذات کا فلسفہ ہے۔ یہ جرمن زبان میں ۱۹۲۲ء میں پہلے پہل شائع ہوا جبکہ امریکا میں پہلی بار یہ ۱۹۵۱ء میں پہلی مرتبہ انگریزی زبان میں شائع ہوا۔ اردو زبان میں اس کا ترجمہ نگار شات پبلشرز، لاہور سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔

بنیادی طور پر یہ اس ناول کی کہانی فلسفہ انکشافِ ذات کی تلاش ہے اور ناول کا ہیرو سدھار تھ (گوتم) اس کی تلاش میں سفر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جو کہ دراصل ریاست کیل و سٹو کا شہزادہ تھا اور اس کا اصل نام سدھار تھ ہے۔ جبکہ اردو ترجمے میں اس کا نام گوتم ہے۔

سدھار تھ (گوتم) اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔ اس ناول کے دیگر کرداروں میں گووند ثنائی مرکزی کردار ہے جو گوتم کا دوست ہے اور مسلک کے اعتبار سے گوتم بدھ کا پیروکار ہے۔ سدھار تھ کا باپ ایک برہمن ہے جو انکشافِ ذات کے معاملے میں اس کو مطمئن نہیں کر پاتا اور وہ سفر اختیار کرتا ہے جہاں ایک بدھ راہب سامن سدھار تھ کو محرومی سے آگہی کی تعلیم اور شعور بخشتا ہے۔ کملا کا کردار سدھار تھ کی محبوبہ کا ہے جو ایک کوٹھے والی ہے اور سدھار تھ کو شہوت پرستی کی صلاح دینے والی ہے۔ اس نتیجے میں وہ اس کے بچے کی ماں بنتی ہے۔ کام سوامی وہ کاروباری شخصیت ہے۔ جس کے ساتھ سدھار تھ نے کئی سال کاروبار کیا ہے یا اس کے ساتھ کاروبار میں شریک رہا ہے۔ واسودیو ایک ملاح ہے جس کے ساتھ سدھار تھ اپنی زندگی کے آخری برس گزارتا ہے۔ کیونکہ سدھار تھ کا بیٹا جو کملا سے پیدا ہوا وہ کم عمری میں ہی اُس کو چھوڑ کر کہیں نکل جاتا ہے۔

نوبل انعام یافتہ ہرمن کے سوئس نژاد جرمن مصنف ہے (۱۹۶۲-۱۸۷۷ء) جو شاعر، افسانہ نگار اور مضمون نویس بھی ہے لیکن اس کی شہرت کا مدار یہی ناول ہے۔ اس کی بیش تر تحریروں میں مشرقی تصوف کا تذکرہ

ملتا ہے اور یہی بات اس ناول کی بنیاد ہے۔

”آگ کا دریا“ قرۃ العین حیدر کا لکھا ہوا شہر آفاق اور منفرد ناول ہے جس کی کہانی کا آغاز اڑھائی ہزار سال قبل سے شروع ہو کر بیسویں صدی تک محیط ہے لیکن ناول میں ایک ایسا تاثر بھی ملتا ہے کہ کائنات کے بہاؤ کا یہ سفر ابھی تک رُکا نہیں ہے بلکہ شاید ابد تک یوں ہی چلتا چلا جائے گا۔

”گوتم نیلمبر“ اس ناول کا اہم کردار ہے جس کی داستان اڑھائی ہزار برسوں پر محیط ہے اور جس کو آسانی کی غرض سے چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا دور: چندرگپت موریہ کے زمانے سے آغاز (چار سو برس ق م)

دوسرا دور: مغلوں کی آمد سے آغاز (۱۵۲۰ء)

تیسرا دور: ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ سے شروع (۱۸۰۰ء)

چوتھا دور: تحریک و تقسیم ہند کے درمیان (۱۹۳۰ء تا ۱۹۵۰ء)

ناول کا بنیادی موضوع انسانی کرداروں کا ہر دور میں پلٹ پلٹ کر آنا اور بار بار جنم لینا ہے۔ پہلے دور میں ”چمپک“ نامی خاتون جو ایک وزیر کی بیٹی ہے۔ جس کی مگنی ایک شہزادے سے ہوتی ہے لیکن وہ انکشافِ ذات کی سعی اور قلبی اطمینان کی غرض سے بادشاہت کو ٹھکرا کر بدھ بھگتو بن جاتی ہے۔

دوسرے دور میں یہی خاتون ایودھیا کے ایک پنڈٹ کی بہن کے روپ میں سامنے آتی ہے ایک ایسے دور میں جب ہندوستان پر اسلامی حکومت ہے۔ اور یہ خاتون ایک درباری مسلمان ”سید منصور کمال الدین“ جو اپنے وقت کا عالم دین ہے کے عشق میں گرفتار ہو جاتی ہے اور اس کے عشق میں قبولِ اسلام کا ارادہ بھی کر لیتی ہے۔ تاہم منصور کمال الدین کسی سفر پر روانہ ہوتا ہے اور آخر تک واپس نہیں آتا۔ تیسرے دور میں یہ عورت ایک شاطر، فہیم، ذہین اور تیز اطوار طوائف کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ دوسرے دور کا عاشق منصور کمال الدین اور پہلے دور کا عاشق گوتم بھی انگریزی دربار میں موجود ہوتا ہے۔ تاہم وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے وفادار گوتم نیلمبر دت کے انتظار میں رہتی ہے اور وہ کلکتہ جانے پر پھر واپس نہیں آتا۔ آخری دور میں یہ خاتون ایک مسلم لیگی وکیل کی بیٹی کے روپ میں سامنے آتی ہے اور اس کا نام چمپا احمد ہے۔ یہاں بھی وہ اپنے پہلے دور کے گوتم نیلمبر سے عشق کرتی ہے لیکن یہاں بھی وہ اسے پانہیں سکتی۔

خاص بات یہ کہ اس کا نام ہر دور میں کم و بیش ایک جیسا ہی رہتا ہے۔ وہ پہلے دور میں ”چمپک“ ہے۔

دوسرے دور میں ”چمپاوتی“، تیسرے دور میں چمپا جان اور چوتھے اور آخری دور میں ”چمپا احمد“۔ ناول اپنی تکنیک کے اعتبار سے جاندار اس لحاظ سے بھی ہے کہ کم و بیش اڑھائی برس کی کئی کہانیوں کو سنبھالنا کسی عام مصنف کے بس کی بات نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ان تمام برسوں میں ہندوستان کی ثقافت کا تنوع بیان کرنا مصنف سے زیادہ کسی مورخ کا کام ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک ہی ناول میں فلسفہ انکشاف ذات، نظریاتی کشمکش، عشق اور عشق میں ناکامی، تانیثیت اور دیگر تصورات بھی وضاحت سے ملتی ہے۔ بقول ڈاکٹر سہل بخاری:

شعور کی رو کے مدہم استعمال، مختلف تکنیکوں کے بیانیہ میں ادغام اور ذات سے ہم کلامی کی گونجوں کو بڑے حُسن اور سلیقے سے انھوں نے ماجرا کی جدت اور قابل قبول فنی تشکیل کو گوتم نیلمبر کی سوچوں اور عمل کے حوالے سے ایک منفرد اور ماڈرن ناول کی ہیئت عطا کی ہے۔^(۱)

”سدھارتھ“ اور ”آگ کا دریا“ بالترتیب مغربی اور مشرقی طرز پر لکھے گئے دو شاہکار ناول ہیں۔ ان دونوں ناولوں کا موضوع مشرقی ثقافت کے تناظر میں فلسفہ بنی کا ادراک ہے۔ دونوں ناولوں میں امتزاجات، اشتراکات اور مماثلت کے کئی پہلو مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ دو مختلف تہذیب رکھنے والے مصنفین کے قلم کی اختراعات ہیں، لہذا یقینی ہے کہ ان کے طرزِ تحریر، اسلوب، فلسفیانہ نکتہ نگاہ اور انداز میں فرق بھی ہو۔ اس کو پرکھنے کے لیے اب ہم دونوں ناولوں کے اشتراکات اور اختلافات کا جائزہ لیتے ہیں۔

اشتراکات:

- ۱۔ دونوں ناولوں میں ہیرو کا کردار مہاتما بدھ کی زندگی سے اخذ کیا گیا ہے۔ دونوں کرداروں کی طبیعت میں تجسس پایا جاتا ہے۔ دونوں ہی پورے ناول میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں اور نروان اور مکتی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کرداروں کے مقاصد میں اشتراک پایا جاتا ہے۔
- ۲۔ دونوں ناول کا انداز فلسفیانہ ہے اور ان دونوں ناولوں کی گہرائی کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ قاری روحانیت اور بدھ ازم جیسے افکار و فلسفے سے آگاہ ہو۔ دونوں ناولوں میں روحانی اور دنیاوی زندگی کی کشمکش، صحیح راستے کا انتخاب وہ الجھنیں ہیں جن میں کبھی نہ کبھی انسان ضرور پڑتا ہے۔ خاص طور پر وہ جو مادیت پسند نہیں ہوتے۔

۳۔ دونوں ناولوں میں جو باتیں فلسفیانہ اور روحانی نقطہء نظر سے بیان کی گئی ہیں ان میں ابتدا سے آخر تک اس

بات کا ذکر بھی ملتا ہے کہ عقل اور دانش مندری کسی کو سکھائی نہیں جاسکتیں۔ دوسرا نروان کا تجربہ حاصل کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور ضروری نہیں کہ نروان کوئی چیز ہے بھی یا نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ بحث کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہم بعض اوقات الفاظ کے گورکھ دھندے میں پڑے رہتے ہیں۔ الفاظ کے پیچھے ضروری نہیں کوئی معنویت بھی ہو۔ بعض اوقات لفظ ہوتے ہیں ان کے اندر کا خالی پن انسان کو الجھا سکتا ہے۔

۴۔ دونوں ناولوں کے ہیر واپنے استادوں اور مذہبی رہنماؤں کی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے اپنے تجربات سے زیادہ سیکھتے ہیں۔ کیونکہ دونوں کا یہ خیال ہے کہ تجربہ یا مکتی کسی کو سکھایا نہیں جاسکتا۔ یعنی جب انسان پر نروان کی گھڑی بنتی ہے تو ان محسوسات کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ انھیں اپنے تجربات سے اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ نروان دنیا کو تباہ دینے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اسی دنیا میں رہنے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے ہر مشکل کو برداشت کر کے آگے بڑھنے سے نروان حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ زندگی خود پر جمود طاری کرنے کا نام نہیں بلکہ مقاصد آفرینی کا نام ہے۔

۵۔ دونوں ناولوں میں وقت ایک کردار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ وقت کو ایک بہتا دریا کہا گیا ہے جو ہر وقت روانی میں رہتا ہے۔ دونوں ناولوں میں وقت کے حوالے سے فکری سطح بہت گہری ہے۔

۶۔ دونوں ناولوں کے ہیر و عشق کے جذبے سے بھی سرشار ہوتے ہیں۔ "سدھارتھ" کی ہیر و "ن کمل" ایک طوائف ہے اور چمپا جو "آگ کا دریا" کی ہیر و "ن ہے وہ بھی ایک جنم میں چمپا بانی (طوائف) کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ دونوں ہیر و دنیاوی عیش و عشرت میں بھی وقت گزارتے ہیں اور پھر جلد ہی اس سے بیزار بھی ہو جاتے ہیں۔ سدھارتھ جب گناہ سے بیزار ہوتا ہے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس اپنے راستے کی طرف پلٹ آتا ہے۔ اسے اپنے اندر "اوم" کی آواز آتی ہے۔ اس طرح وہ فطرت کی طرف راغب ہو کر خود آگہی کے راستے پر چل پڑتا ہے۔ دوسری طرف گوتم بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ چمپا سے شدید محبت کے باوجود اس سے دور بھاگتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر عیش کو چکھتا ہے۔ اس میں ڈوبتا نہاتا اور پھر اس سے باہر نکل آتا ہے۔ وہ محبت کو قید سمجھتا ہے اور پھر آزادی کے لیے بھاگتا ہے اور جب محبت سے آزادی حاصل کر لیتا ہے سوچتا ہے۔

قرۃ العین حیدر لکھتی ہیں:

آزادی کا مقصد کیا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں۔ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ کون آزاد ہے کون

نہیں۔ ہری شنکر تم کو آزادی کی تلاش میں کیا ملا؟ آئندہ اسرار جو تم پر منکشف ہوئے وہ سوائے تمہارے کون جانے گا۔ ہم سب اپنے اپنے اسرار میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کر سکتے۔^(۲)

۷۔ سدھارتھ میں ہیرو کا دوست گووند ہے اور ”آگ کا دریا“ میں ہیرو گوتم کا دوست ہری شنکر ہے جو گوتم بدھ کے چیلے بن جاتے ہیں اور ہیرو کرداروں کے ساتھ فلسفے کے نقطہ نظر سے بحث و مباحثہ کر کے ناول کے تھیم کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

ہری شنکر بدھ فلسفے کا نمائندہ ہے۔ ہمہ وقت سوچنا اس کے کردار کا بھی حصہ ہے۔ لیکن اس پر کرب کا وہ عالم نہیں جو گوتم کی ذات سے منسوب ہے۔ اگر وہ شانت نہیں تو زیادہ بے چین بھی نہیں۔^(۳)

۸۔ دونوں ناولوں میں روحانی سفر میں خود کو کھوجنے کے لیے مکالمہ نگاری سے بھی کام لیا گیا ہے۔ دونوں مصنفین نے مکالمہ نگاری کا سہارا لے کر بہت سی فلسفیانہ باتوں کی وضاحت بڑی تفصیل کے ساتھ کی ہے اور مکالمہ نگاری کے ذریعے ایسے روحانی سفر کی داستان پیش کی ہے جسے وہ کسی کردار کے ذریعے پیش نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً ”سدھارتھ“ میں مکالمہ نگاری کی مثال دیکھیں:

... اور ساری آوازیں، ساری منزلیں، ساری مسرتیں، سارے دکھ، سارے سکھ، سب نیکیاں اور برائیاں، یہ سب مل کر ہی دنیا تھے۔ یہ سب مل کر واقعات کا بہاؤ، جیون راگ تھے۔ جب سدھارتھ نے غور سے دریا کو سنا تو اسے یہ ہزار گیت والی راگنی سنائی دی۔^(۴)

”آگ کا دریا“ میں بھی مکالمہ نگاری کے ذریعے انسانی گفتگو اور انسانی طرز کے بے شمار نمونے ملتے ہیں۔ ناول کے اولین مکالمات ہی قاری کو بتادیتے ہیں کہ مکالمہ صرف فرد کے احساس تنہائی کو دور کرنے کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ زندگی کی جدلیت کا مظہر بھی ہے:

”تم کون ہو بھائی“ نیچے سے کسی نے پوچھا۔
 ”میں ہوں“ گوتم نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔
 ”تمہارا نام کیا ہے“
 ”میں کا کوئی نام نہیں ہوتا“

”تفریق کے لیے نام ضروری ہے۔“

شرادستی کے جن پنڈتوں کے گھرانوں میں پیدا ہوا، وہاں دوسرے پنڈتوں سے پوچھ کر میرا نام گوتم رکھا گیا تھا۔^(۵)

دونوں ناولوں میں مکالمہ صرف زبان کی ایک جہت ہی نہیں اس سے کہیں زیادہ معنی خیز کردار ادا کرتا ہے۔ وقت کے طوفانی بہاؤ اور زندگی کے اندھیرے میں مکالمہ ہی ایک ایسی شکل ہے جس کی مدد ہم، لرنرٹی روشنی میں فرد نہ صرف ارد گرد کو دیکھتا ہے بلکہ اپنی اور دوسروں کی شناخت بھی کرواتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مکالمہ نگاری دونوں ناولوں کی جان ہے۔

اختلافات

۱۔ ناول ”سدھارتھ“ کا پلاٹ بالکل سادہ ہے۔ خط مستقیم کی طرح ایک کنارے سے شروع ہو کر دوسرے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں زیادہ تر بیانیہ انداز اپنایا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ مکالمے کی تکنیک کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اس ناول کی روانی اس کی امتیازی خصوصیت ہے۔ جو کہیں بھی ناول کی موضوعاتی ضروریات کے باعث بھاری پن پیدا نہیں ہونے دیتی۔ اس ناول میں اول سے آخر تک کشش کی کیفیت کہیں بھی قاری کی دلچسپی کو ختم نہیں ہونے دیتی۔ وہ کشش جو سدھارتھ کے ذہن میں شروع سے آخر تک جاری رہتی ہے، ایک تجسس اور تھیر کی فضا، جان لینے اور پالینے کا سفر اس کا بنیادی عنصر بنتا ہے جو قاری کو انجام تک مسحور کیے رکھتا ہے۔ آصف فرخی اس بات کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں:

میں نے سوچا اور محسوس کیا... اسی لیے میں اپنے راستے پر چل پڑا ہوں۔ کسی دوسرے اور بہتر عقیدے کی تلاش میں نہیں کہ میں جانتا ہوں اس سے بہتر کچھ نہیں بلکہ تمام عقائد اور تمام معلمین کو ترک کرنے کے لیے اور اپنے مقصد پر تنہا پہنچنے کے لیے یا مر جانے کے لیے۔^(۶)

دوسری طرف جب ہم ناول ”آگ کا دریا“ کے پلاٹ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ناول کے فن میں پلاٹ ایک انتہائی اہم جزو ہے۔ ناول میں فن کار اپنی تصنیف کو حصوں میں تقسیم کرتا ہے اور پھر ان حصوں کو اس طرح جوڑتا ہے کہ ایک مخصوص فنی تعمیر کا احساس ہوتا ہے اور پلاٹ میں ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن ”آگ کا دریا“ کے پلاٹ میں ربط نظر نہیں آتا۔ اس میں ”شعور کی رو“ کے ٹکڑے ہیں جن کو مختلف اصولوں کے تحت جوڑا

گیا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ اس ناول میں ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کو ایک وسیع کینوس پر پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے اس ناول کی وسعت کی وجہ سے اگرچہ کہیں کہیں اس کا پلاٹ متاثر بھی ہوا ہے مگر اس میں ہمیں کہیں بھی کوئی جھول نظر نہیں آتا ہے۔ آگ کا دریا واقعات، فکر و فلسفے سے متعلق لاتعداد جزئیات سے بھرپور ایک ایسے دریا کا منظر پیش کرتا ہے جس کی واقعات کا بہاؤ ایک مخصوص سمت میں بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں:

اس وسیع ناول کی تعمیر و تنظیم نہایت بلند ذہنی سطح پر ہوئی ہے۔ ہزاروں سال پرانی ثقافت کی تصویریں فلمی مناظر کی طرح دکھائی گئی ہیں۔ لیکن اس کا جوڑا اس چابکدستی سے ملایا گیا ہے کہ تسلسل میں کہیں ضعف نہیں آتا۔^(۷)

اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ناول ”آگ کا دریا“ کی ضخامت نے اگرچہ کہیں کہیں ناول کے پلاٹ کو متاثر ضرور کیا ہے مگر پلاٹ کی یہی بے ربطی اس ناول کی خوبی بن کر ابھری ہے اور اس نے اس ناول کو اردو ادب کا ایک شاہکار ناول بنا دیا ہے۔

۲۔ ناول ”سدھار تھ“ میں چند ایک کردار ہیں جن کے گرد پورے ناول کی کہانی گھومتی ہے۔ کرداروں میں وہی لوگ سامنے آتے ہیں جن کا براہ راست سدھار تھ سے تعلق ہوتا ہے۔ جیسے سدھار تھ کا باپ، اس کا دوست گووند، اس کی محبوبہ کملا اور اس کا مددگار واسودیو اور اس کا بیٹا۔ یہ تمام کردار مختصر ہونے کے باوجود پورے ناول پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں اور ناول نگار نے ان کا تعارف اس انداز میں کروایا ہے کہ تمام کردار اپنی خوبیوں اور خامیوں سمیت قاری کے سامنے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس ناول کے کردار محترم اور ارتقا کرتے نظر آتے ہیں۔ ”سدھار تھ کے کرداروں کے چہروں پر تمنائیت اور سکون نظر آتا ہے۔

دوسری طرف جب ہم ناول ”آگ کا دریا“ کے کرداروں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ بات شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ قرۃ العین نے اپنے کرداروں کا پوری طرح تعارف نہیں کروایا۔ وہ سرسری طور پر کسی کردار کا ذکر کرتی ہیں اور آگے کی طرف بڑھ جاتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کے کردار ایسے نہیں جن کو ہم پورے طور پر زندہ کہہ سکیں اور نہ کوئی کردار ارتقاء کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ چند افراد ضرور ہیں جو ادوار کے ساتھ ساتھ نام بدلتے جاتے ہیں اور ان کے ناموں کے کچھ حصے ان کے پرانے ناموں سے متعلق رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم ان کرداروں کو پہچان پاتے ہیں۔ ان کرداروں میں گوتم نیلمبر، ہری شنکر، چمپا، نرمل، کمال اور سرل شامل ہیں جو ہر بار

ایک نئی شکل کے ساتھ سامنے آتے ہیں اور پھر معدوم ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ کردار ہر بار کہانی کو ایک نیا رخ دے جاتے ہیں جس سے کہانی کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس ناول کے بعض کردار علامتی ہیں اور بعض عام زندگی کے مظہر ہیں۔ اس حوالے سے لطیف الزماں خان کہتے ہیں کہ:

قرۃ نے وجود انسانی کا ارتباط کہیں اشاراتی، کہیں استعاراتی، کہیں علامتی اور کہیں روایتی بنایا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اپنے فن سے شیفتگی اور اخلاص کا بلند ترین طرز عمل ایسا ہی ہوتا ہے۔ اچھے اور برے، گفتنی واقعات کو بیان کرنے کے لیے ایسے ہی کرداروں کی ضرورت ہوتی ہے۔^(۸)

اگر ہم لطیف الزماں خاں کی اس رائے کو مان بھی لیں تب بھی یہ بات ہمیں شدت سے محسوس ہوگی کہ اس ناول کے کردار اپنے اپنے دائروں میں ہی حرکت کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن ان دائروں سے باہر نہیں نکلتے۔ اسی وجہ سے یہ سارے کردار المیہ نظر آتے ہیں۔ اور ان کی پیچیدگیوں کی وجہ سے جنم لینے والے المیوں کو فلسفیانہ سہاروں سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ”سدھار تھ“ کے کردار ”آگ کا دریا“ کے کرداروں کی نسبت زیادہ جاندار، مضبوط اور متحرک کردار ہیں جو آہستہ آہستہ وقت کے بہاؤ میں بہتے ہوئے منزل تک بڑے پرسکون انداز میں پہنچ جاتے ہیں۔

۳۔ دونوں ناولوں میں جب ہم ہیر وئن کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ”آگ کا دریا“ میں چمپا جو ہیر وئن ہے کی شروع ہلکی سی جھلک دکھائی دیتی ہے اور آخر میں وہ لکھنؤ شہر میں چمپا بائی کے نام سے ہر دلعزیز ہے جو پاکستان بننے پر ہندوستان میں ہی رہ جاتی ہے۔ وہ قرۃ العین کے دوسرے ناولوں کی ہیر وئنوں کی طرح جاذب نظر تو ضرور ہو جاتی ہے مگر اس کے کردار میں ایسی کوئی بات نہیں جو ہمارے اندر مخصوص جذبات، حسن یا عظمت کو ابھارے یا ہمارے ذہن پر کوئی ایسا تاثر چھوڑے جس سے وہ ہمیں یاد آئے۔

اس کے برعکس جب ہم ”سدھار تھ“ کی ہیر وئن کملا کو دیکھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ کملا اپنے مختصر ترین کردار کے باوجود ہر جگہ چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ ایک مغرور اور نسوانی فخر میں گرفتار عورت ہے جو حکومتوں کے تختے الٹ دینے پر قادر ہے۔ جس کا ذہن جس کا بدن اس کے اپنے اختیار میں ہے اور جس کا بہترین مصرف اسے معلوم ہے۔ وہ خود کو باہر رکھ کر کھیل کا مزالیتی ہے حالانکہ وہ خود کھیل کا حصہ ہے۔ وہ خود پرستی میں

مبتلا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔ سدھار تھ جیسے دنیا تیاگ دینے والے انسان کو واپس دنیا داری کے راستے پر لانے والی کملا ہی تھی۔ جس نے اس کی زندگی کا رخ بدل دیا تھا۔ نسوانی کرداروں کے جائزے سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ ”سدھار تھ“ میں اگرچہ ایک نسوانی کردار ہے مگر وہ ”آگ کا دریا“ کے مقابلے میں بہت مضبوط کردار ہے اور ”آگ کا دریا“ کے تمام نسوانی کرداروں پر سبقت لے جاتا ہے۔

۴۔ ”سدھار تھ“ میں تاریخ کے صرف ایک حصے کو ناول کا پس منظر بنایا گیا ہے۔ اس ناول میں مرکزی کردار ہر جگہ سامنے رہتے ہیں اور تاریخ سے ان کرداروں کا تعلق رکھا گیا ہے۔ ناول کی پوری کہانی مخصوص رجحانات اور تنوع کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے۔ اور ہیرو کا وجود تاریخ کے حوالے سے جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس ناول میں طویل تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ”آگ کے دریا“ کے چار کردار گوتم، ہری شکر، کمال اور سرل یشیلے برصغیر کے زمانہ ماضی میں دور تک پھیلی ہوئی تہذیبی اور ثقافتی تاریخ کے چار اہم ادوار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس طرح قرۃ العین ان کے حوالے سے برصغیر کی صورت حال کو ایک دھارے کی شکل میں سامنے لا کر وحدتِ تاثر کو اجاگر کرتی ہیں۔ درحقیقت قرۃ العین حیدر نے انسانی عظمتوں کا سراغ اس کی تاریخ کے ذریعے ہی لگایا ہے۔ تاریخ انسان کو پیچھے مڑ کر دیکھنے اور اپنے پُرکھوں کے افعال کے ادراک میں مدد دیتی ہے اور ناول نگار نے یہ بتایا ہے کہ کس طرح تاریخی عمل انسانی کردار و افعال پر اثر انداز ہو کر اس کے ذہن کو بدلتا ہے اور اسے کس طرح وہ حال سے مستقبل کی جانب دھکیلتا ہوا لے جاتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر اعجاز اہی لکھتے ہیں کہ:

قرۃ العین حیدر نے برصغیر کے تہذیبی سفر کے حوالے سے انسانی عظمتوں کا کھوج لگایا ہے۔
قدیم دور کے گوتم نیلمبر سے جدید دور کے گوتم نیلمبر تک یہ سفر برصغیر کی ثقافتی، سیاسی اور
طبقاتی جدوجہد کا دائرہ مکمل کرتا ہے۔^(۹)

”آگ کا دریا“ میں قرۃ العین نے جتنا بڑا دور لیا ہے اور اس کو جس خوبی سے سمیٹنے کی کوشش کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس سے پہلے بھی تاریخی ناول لکھے گئے مگر ”آگ کا دریا“ نے اردو ناول نگاروں کے لیے تاریخی حوالے سے نئی راہ کھول دی ہے اور اس ناول نے تاریخی اعتبار سے نئے آنے والے ناولوں کو بہت متاثر کیا ہے۔ ”آگ کا دریا“ میں ہمیں ڈھائی ہزار سالہ تاریخی دور کا تجربہ ملتا ہے۔ جسے صرف قرۃ العین جیسی باشعور ناول نگار ہی برت سکتی تھیں۔ اس لحاظ سے یہ ناول ”سدھار تھ“ پر سبقت لے جاتا ہے۔

۵۔ منظر نگاری کے حوالے سے بھی قرۃ العین حیدر کا ناول اپنی مثال آپ ہے۔ منظر نگاری میں ان کی یہ

مہارت اس ناول میں پوری آب و تاب سے نظر آتی ہے۔ وہ کسی عمارت کی منظر کشی کر رہی ہوں یا کسی قدرتی منظر کی۔ ہر جگہ ایک ایک چیز کی تفصیل لکھتی ہیں۔ منظر کشی کرنے میں وہ جس طرح جزئیات نگاری سے کام لیتی ہیں اس سے تمام منظر قاری کی کی تفصیل لکھتی ہیں۔ منظر کشی کرنے میں وہ جس طرح جزئیات نگاری سے کام لیتی ہیں اس سے تمام منظر قاری کی آنکھوں کے سامنے واضح ہو جاتا ہے۔ ”آگ کا دریا“ میں منظر نگاری کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے:

گوتم نیلمبر نے چلتے چلتے ٹھٹک کر پیچھے دیکھا راستے کی دھول بارش کی وجہ سے کم ہو چکی تھی۔ گوتم اس کے اپنے پاؤں مٹی سے اٹے تھے برسات کی وجہ سے گھاس اور درخت زمر دے رنگ کے دکھائی پڑ رہے تھے۔ اسوک کی نارنجی اور سرخ پھول گہری ہریالی میں تیزی سے جھلملاتے تھے۔ اور ہیرے کی ایسی جگمگاتی پانی کی لڑیاں گھاس پر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں۔ (۱۰)

دوسری طرف جب ہم ناول ”سدھارتھ“ میں منظر نگاری کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس ناول میں ارد گرد کا منظر غائب ہے اور سدھارتھ جب لوگوں سے بات کرتا ہے وہی لوگ ناول کے کینوس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس ناول میں نہ تو تہذیب نظر آتی ہے اور نہ ہی ارد گرد کے ماحول کی منظر کشی کے نقطہ نظر سے بھی ”آگ کا دریا“، ”سدھارتھ“ پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ منظر نگاری کے جو نمونے قرۃ العین نے پیش کیے ہیں وہ ”سدھارتھ“ میں بالکل مفقود ہیں۔

۶۔ دونوں ناولوں میں محبت کے مختلف تجربات ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ ”آگ کا دریا“ میں محبت کے تعلقات کے تمام افسانوں کی نوعیت ٹوٹے اور بکھرنے پر مبنی ہے۔ پہلے گوتم نیلمبر، چمپک رانی کو اپنا معروض بنانا چاہتا ہے اس سے عشق کرتا ہے لیکن وہ اس کی اور اپنی دونوں کی آزادی کا احترام کرتا ہے۔ اس لیے یہ رشتہ ناکامی پر ختم ہوتا ہے۔ راج کماری نرملاجو دل و جان سے گوتم پر فدا ہے اور اسے اپنے وجود کا حصہ بنانا چاہتی ہے، اس سے بھی گوتم کا رشتہ قائم نہیں ہو پاتا اور نرملاجو ائی کاروگ پال کر آخر کار دق کی مریض بن جاتی ہے اور جان دے دیتی ہے۔ اس کے بعد گوتم امید کا کو پوری طرح اپناتا ہے مگر اپنے وجود کی آزادی کی خاطر سب کچھ تیاگ دیتا ہے۔ گوتم کی محبوبائیں مختلف ادوار میں بدلتی رہتی ہیں لیکن وہ کسی کو بھی اپنا نہیں پاتا۔ دوسری طرف جب ہم ”سدھارتھ“ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ ”سدھارتھ“ جس سے محبت کرا ہے اسے اپناتا بھی ہے

اور انسانی و جسمانی ضرورتوں سے بھی واقف ہوتا ہے۔ وہ دل و جان سے کملا پر فدا ہے اور کملا کی محبت میں اپنے راستے اور منزل سے بھی کچھ دیر کے لیے غافل ہو جاتا ہے۔ کملا سے سدھار تھ کا ایک بیٹا بھی ہے جو اسے ایک نئے جذبے سے روشناس کرواتا ہے۔ سدھار تھ کا بیٹا گو چند دن تک اسے ساتھ رہتا ہے مگر رشتوں کی پہچان اور کشش بہر حال وہی سدھار تھ کو محسوس کرواتا ہے۔ سدھار تھ جب کملا کو چھوڑ دیتا ہے تو کملا سدھار تھ کی خاطر سب کچھ تیاگ دیتی ہے۔ اور گو تم بدھ کی چیلی بن جاتی ہے اور بالآخر اپنے محبوب کی بانہوں میں جان دے کر اپنی سچی محبت کا ثبوت پیش کر دیتی ہے۔ دونوں ناولوں کے ہیرو اپنے وجود کی آزادی کی خاطر اپنی محبت کو تیاگ دینے کے بعد نروان کی منزل تک پہنچتا ہے۔ محبت کے معاملات میں دونوں کرداروں کے اپنے اپنے تجربات ہیں جو ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔

۷۔ موت کے حوالے سے بھی دونوں ناولوں میں مختلف تجربات سامنے آتے ہیں۔ ”سدھار تھ“ میں کملا جو ہیروئن ہے وہ مرنے سے پہلے زندگی کی تمام عیش و عشرت کا مزہ چکھتی ہے۔ اسے محبوب کا وصل حاصل ہے اور وہ اپنی جان محبوب کی بانہوں میں ہی دیتی ہے۔ اسی وجہ سے مرتے وقت اس کے چہرے پر سکون کی لہر نظر آتی ہے۔ جب کہ ”آگ کا دریا“ میں موت ایک نئے تجرباتی انداز میں سامنے آتی ہے۔ وہ ہے نرملہ کی موت۔ نرملہ گو تم سے محبت کرتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ روگ اسے دق کا مریض بنا دیتا ہے۔ اور وہ سینی ٹوریم میں داخل ہو جاتی ہے۔ گو تم کو جب نرملہ کی بیماری کا پتا چلتا ہے تو وہ اس کی عیادت کے لیے جاتا ہے۔ اور نرملہ کو شادی کی پیش کش کرتا ہے مگر نرملہ اسے پوج تو سکتی ہے مگر اس کی اور اپنی آزادی ختم نہیں کر سکتی اس لیے انکار کر دیتی ہے اور کچھ عرصہ سینی ٹوریم میں رہنے کے بعد مر جاتی ہے:

ان سب چیزوں کے درمیان گھرے ہوئے جب کہ نرملہ کا سامان اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ اسے لگا گیا اس کی زندگی، ساری زندگی ایک بہت عظیم الشان کباڑی کی دکان ہے۔ یہ سب سامان فالتو ہے۔ ان سب چیزوں کو زرا بیچ کر تو دیکھو، اپنی زندگی کو ذرا اس کباڑی کی مارکیٹ میں تو رکھ، موت اس کی قیمت ہے۔^(۱۱)

نرملہ کی موت اس کے باقی ساتھیوں کو بھی ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔ نرملہ کی موت کے تصور سے اس کے سب ساتھی مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں اور اپنی اپنی مایوسی میں عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔ نرملہ کی اہمیت اس کی موت کے بعد اس کے ساتھیوں اور اس کے محبوب کے دل میں اجاگر ہوتی ہے۔ اس

طرح اس ناول میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ بعض اوقات انسان کو جس قدر و منزلت اس کی زندگی میں نہیں مل پاتی وہ موت کے بعد اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ موت کے اس نئے تجربے کے لحاظ سے بھی ہم ”آگ کا دریا“ کو سدھار تھ پر فوقیت دیں گے۔ جب کہ ”سدھار تھ“ میں صرف اس نقطے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کملا جب بدی کا پیکر تھی تو بدی زندگی تھی اور جب بدی (کملا) نیکی کے راستے پر چلتی ہے تو اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور صرف نیکی ہی کہلاتی ہے۔

۸۔ ناول ”سدھار تھ“ کے آخری حصے میں داسود یو سدھار تھ کی مدد کرتا ہے جس سے اس کا خود آگہی اور حقیقت کی تلاش کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔ سدھار تھ نروان تو کب کا حاصل کر چکا تھا مگر اسے اس سے آگہی نہیں ہوتی جس کا احساس اسے داسود یو کرواتا ہے۔ داسود یو جب پہلی مرتبہ سدھار تھ کو جنگل کے کنارے پہنچاتا ہے تو وہاں سے سدھار تھ زندگی کی طرف واپسی کا پہلا قدم اٹھاتا ہے۔ یعنی کملا سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ دوسری مرتبہ جب سدھار تھ دنیا سے بے زار ہوتا ہے تو داسود یو اس کی توجہ وقت اور بہتے دریا کے ذریعے فطرت کی طرف کرواتا ہے جس سے سدھار تھ کو احساس ہوتا ہے کہ اصل زندگی دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنا ہے یعنی زندگی کو اس کی اصل شکل میں قبول کرنا ہی تکمیل ہے۔ دنیا کو اس کے بہاؤ، رنگ اور اصل شکل میں قبول کرنا ہی ”اوم“ ہے۔ سدھار تھ نے اپنے تجربات کو مثبت جانا۔ اس نے اپنی زندگی سے اخذ کیا کہ کوئی شکل حتمی نہیں، ہر چیز تبدیل ہوتی ہے اور تبدیل شدہ چیز اپنے اندر تکمیل کا عنصر لیے ہوئے ہوتی ہے۔

اسی طرح ”آگ کا دریا“ میں گوتم بھی زندگی کو مختلف حصوں میں گزارنے کے بعد جب ہو انوری کے لیے دریا کے کنارے آتا ہے تو وہ بہتے ہوئے پانی کو دیکھتا ہے اور یہ تصور کرتا ہے کہ یہ بہتا ہو پانی وقت کا دھارا ہے۔ اسی وقت کے دھارے میں جب وہ ماضی کو دیکھتا ہے تو خود کو اسی ماحول اور اسی جگہ محسوس کرتا ہے جب ناول کے آغاز میں باسٹھ فلسفوں کی یلغار میں گوتم کو تنہا بتایا گیا تھا۔ اس تنہائی میں جب ماضی کے تمام حالات و واقعات اس کی نظر سے گزرتے ہیں تو اسے احساس ہوتا ہے کہ انسان باسٹھ سے کہیں زیادہ فلسفوں کی زد میں ہے اور وقت اور تاریخ کی ضربوں سے انسان چور چور ہے۔ اس سب کے باوجود یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ دکھوں، تکلیفوں، امیدوں اور ناامیدی میں بھی اپنے لیے کلفت و راحت اور امید پیدا کرنے کی کوشش کرے اگر انسان ایسا کر لے تو اسے نروان حاصل ہو سکتا ہے۔ گوتم کی اس سوچ نے اسے نیا عزم دیا اور اسے بتایا کہ حیات مسلسل ارتقاء کرنے اور مقاصد آفرینی کا نام ہے اگر انسان ایک جگہ رک جائے حرکت نہ کرے تو وہ کبھی بھی نروان حاصل نہیں

کر سکتا۔ انسان کی بقا ہی مسلسل مقاصد آفرینی سے ہے:

زمین تیری پہاڑیاں، برفانی پہاڑ اور جنگل مسکرا رہے ہیں۔ میں تیری سطح پر کھڑا ہوں۔ میں مغلوب نہیں ہوا۔ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا۔ مجھے زخم نہیں لگے۔ میں سالم ہوں۔ مجھے کوئی ختم نہ کر سکا۔^(۱۲)

ان مباحث کے نتیجے میں یہ کہنا قطعاً غلط نہ ہو گا کہ یہ دونوں ناول اپنے اپنے فن کے اعتبار سے تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔ جن میں تہذیبی جھلک کے ساتھ ساتھ شعور کی رو بھی ہمراہ چلتی نظر آتی ہے اور گوتم بدھ کے نروان کی تپسیا بھی کسی دور اور ویران دیومالائی حضار میں دھیرے دھیرے اٹھتی چلی آتی ہے۔ جس کا نتیجہ من کی مکتی کی صورت میں نکلتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ دونوں ناول تاریخی، ثقافتی اور فنی اعتبار سے ادب کا ایک اعلیٰ سرمایہ ہیں۔

حواشی

- ۱۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، ”اردو ناول تاریخ و تنقید“، (لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۶ء)، ص ۳۳۰
- ۲۔ قرۃ العین حیدر، ”آگ کا دریا“، (لاہور: مکتبہ اردو ادب، سن)، ص ۹۷
- ۳۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان، ”آزادی کے بعد اردو ناول“، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۷ء)، ص ۹۳
- ۴۔ قرۃ العین حیدر، ”آگ کا دریا“، ص ۷۱
- ۵۔ ایضاً، ص ۲۴
- ۶۔ ہرمن میسے (Hermann Hesse)، ”سدھارتھ“ (Siddhartha)، ترجمہ: آصف فرخی، (لاہور: قوسین، ۱۹۸۳ء)، ص ۵۱
- ۷۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، ”اردو ناول تاریخ و تنقید“، ص ۴۰
- ۸۔ لطیف الزمان خان، ”قرۃ العین حیدر: خصوصی مطالعہ“، (ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۳ء)، ص ۳۸
- ۹۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان، ”آزادی کے بعد اردو ناول“، ص ۶۲
- ۱۰۔ لطیف الزمان خان، ”قرۃ العین حیدر: خصوصی مطالعہ“، ص ۳۲۲
- ۱۱۔ قرۃ العین حیدر، ”آگ کا دریا“، ص ۲۳۲
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۷۸۶

ماخذ

- ۱۔ بخاری، سہیل، ڈاکٹر، ”اردو ناول تاریخ و تنقید“، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۶ء



- ۲۔ حیدر، قرۃ العین، ”آگ کا دریا“، لاہور: مکتبہ اردو ادب، سن
- ۳۔ خان، ممتاز احمد، ڈاکٹر، ”آزادی کے بعد اردو ناول“، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۷ء
- ۴۔ خان، لطیف الزمان، ”قرۃ العین حیدر: خصوصی مطالعہ“، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۳ء
- ۵۔ بیسے، ہرمن (Hesse, Hermann)، ”سدھارتھ“ (Siddhartha)، ترجمہ: آصف فرخی، لاہور: توسلین، ۱۹۸۳ء